فقہاء اربعہ کا مسلک اعتدال و توازن

(پُر امن معاشرے کے قیام کے لیے راہنما اصول)

سیدہ سعدیہ*

Today Muslim Ummah is facing very big cahllange of peace and harmony . Sectrinism and religious grouping, lack of tolerance are the main reasons for this anarchy. But when we study the teachings and life islamic jurists we find the fact that they are more tolerant ,respectful, balanced ,compitabial and peaceful in their teachings and life as well. In this research paper the autor will discuss the how the dream of peaceful society come true.

شریعت اسلامیہ کی یہ منفرد خصوصیت ہے کہ وہ انسان کو ہر زمان و مکان کے حوالے سے زندگی گزارنے کے لئے ایک قابل عمل راہنمائی عطا فرماتی ہے۔ اس دین کا یہ امتیاز ہے کہ وہ فطری حقائق کی مانند مصدقہ وابدی، حیات انسانی کی طرح زندہ و مسلمہ اور تغیر زمانہ کے ہم رکاب ہے۔ اس میں مرور زمانہ کے ساتھ پیش آنے والے حوادث وواقعات کا حل فراہم کرنے اور بنی نوع انسان کی راہنمائی کا فریضہ انجام دینے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔ شریعت اسلامیہ میں بعض احکام وہ ہیں جو اپنے الفاظ و تشریحات میں قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کہا جاتا ہے۔ شریعت کے بیشتر احکام اسی نوعیت کے ہیں۔ اور تمام فقہاء ان پر متفق ہیں۔ لیکن بعض فروعی وجزوی احکام ایسے ہیں جن میں فقہاء کے کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ فقہاء کرام میں پائے جانے والے اختلافات کے بہت سے اسباب ہیں۔

لیکن ان میں پائے جانے والے اختلافات کی نوعیت حق و باطل میں فرق و امتیاز کی سی نہیں ہے بلکہ مسائل کے استنباط میں صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے اختلاف، عرف و مصالح مرسلہ اور سد ذرائع، نیز قیاس و اجتہاد کے باعث ہیں۔ یہ اختلاف رائے فطری بھی ہے اور عملاً امت کے لئے باعث رحمت بھی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس دین قیم کو ایسے رجال عطا فرمائے جو (شریعت کی روح اور مقاصد کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل اور جدید امور کا حل تلاش کرتے رہے۔ ان فقہاء کا فقہی سرمایہ زندہ و جاوید ہے۔ انہوں نے اس قانونی و فقہی متاع کو تشکیل دینے میں اپنی زندگیاں وقف کیں۔ یہ علمی ورثہ آج بھی قانون سازی کے لئے بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔)[1]

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

فقہاء کرام کی آرا میں پایا جانے والا اختلاف کوئی نیا اختلاف نہیں ہے بلکہ صحابہ کرامؓ میں بھی اسی قسم کا اختلاف پایا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس اختلاف سے امت میں کبھی بھی جنگ و جدال کی نوبت نہیں آئی نہ ایک دوسرے کو گمراہ قرار دیا گیا۔ نہ ایسا ہوا کہ ایک گروہ نے دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا ہو۔ بلکہ فقہاء کرام کے آپس میں تعلقات احترام و محبت و عقیدت کے تھے۔ اپنی آراء کو ہمیشہ دوسرے کی رائے پر ترجیح نہیں دی ہمیشہ یہ کہا کہ ہمارے پیش نظر یہ دلیل ہے۔ فقہی اختلاف کا موضوع وہ اجتہادی مسائل ہیں جن میں آئمہ و مجتہدین کی اجتہادی آرا ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور جن میں کوئی ایک مفہوم مراد لینے پر کوئی قطعی دلیل بھی موجود نہ ہو۔ جیسا کہ معجم لغۃ الفقہاء میں ہے: المسائل الخلافیۃ التی لم یتفق علیہا من یعتد بخلافۃ من العلماء[2] اختلافی مسائل سے مراد وہ مسائل ہیں جن میں ان علماء کا اختلاف ہو جن کے اختلاف کو اختلاف شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ فقہاء کرام میں جزوی مسائل میں پائے جانے والے اختلاف کو جب افراد امت نے صواب و خطاء، اولیٰ یا غیر اولیٰ کے اختلاف کی بجائے حق و باطل کا اختلاف قرار دیا، ہدایت و گمراہی کا مسئلہ بنالیا گیا تو ان اختلافات میں شدت پیدا ہو گئی۔ جو امت کے لئے راویوں کا اختلاف دلوں کا اختلاف، مسالک کا اختلاف جنگ و جدال، تعصب و تنگ نظری کا پیش خیمہ بن گیا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے پیچھے نماز تک پڑھنا پسند نہیں کرتے، مساجد الگ بن گئی ہیں جن میں غیر مسلک کا داخلہ منع ہے۔ ایک شخص دوسرے مسلک کی مسجد میں آذان نہیں دے سکتا۔[3]

مسجد جو اللہ کا گھر تھی وہاں اگر کوئی شخص کالے کپڑے پہنے داخل ہو جاتا ہے تو اس کو خون حالت نماز ہی میں بہا دیا گیا بغیر یہ جانے کہ وہ کس مسلک سے تعلق رکھتا ہے۔ [4]عدم برداشت کے انہی واقعات کے باعث مہینوں مساجد سیل رہیں، اذان کی صدائیں اس بستی میں نہ گونجیں تب بھی ہم مسلمان کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں یا کسی خاص مسلک کے پیروکار؟

اگر کوئی بغیر علم رکھے کسی دوسرے مسلک کی مسجد میں داخل ہو گیا ہے تو اس کو دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے۔[5] متفقہ علیہ امور پر تو کوئی بات نہیں کرتا لیکن اختلافی فروعی و جزوعی امور میں کا بازار گرم کئیے رکھتے ہیں۔ محلوں، یا اداروں میں قرآن کریم کے دروس یا محافل کا انعقاد کیا جائے تب بھی یہ سوال سب سے پہلے اٹھتا ہے کونسا مسلک یہ کام کر رہا ہے۔ گویا وہ دعوت جس راہ ہدایت کی جانب ہے ہمیں

اس بارے میں کوئی فکر نہیں مسلک کیا ہے؟ یہ سوال جنت اور دوزخ میں جانے یا نہ جانے کا سوال بن گیا ہے۔ ہدایت و گمراہی کا دارومدار اسی چیز پر منحصر ہے تم کس گروہ، جماعت یا مسلک سے ہو۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی   برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذان روح بلالی نہ رہی   فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خوان ہیں کہ نمازی نہ رہے   یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے
شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود   ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود!
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود   یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو   تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ مسلمان بھی ہو!

آج ہم بحثیت قوم صوبائی، نسلی، ذاتی اور مسلکی ائروں میں اس قدر منقسم ہو چکے ہیں کہ ہمیں سب کچھ ملتا اور نظر آتا ہے لیکن ایک حقیقی مسلمان مفقود و عنقا ہو گیا ہے۔

اس مقالے میں بین المسالک ہم آہنگی کو پروان چڑھانے کے لئے فقہاء اربعہ کا مسلک اعتدال و توازن پر روشنی ڈالی جائے گی۔ تاکہ تمام مسالک کے درمیان اتحاد و اتفاق کی فضا کو پروان چڑھایا جائے اور ایک پر امن اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں آسکے۔

فقہاء اربعہ اور فقہی اختلافات:

قرن اول کے بعد جہاں اسلامی ریاست کے دائرہ نے مزید وسعت اختیار کی وہیں بہت سے نئے حالات و واقعات کی بناپر بہت سے فقہی مسائل بھی پیدا ہوئے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ احسان کہ اس نے اس دور میں دین قیم کی تشریح و توضیح کے لئے ایسے رجال عطا فرمائے جنہوں نے دین مبین کو بنیاد بناتے ہوئے نت نئے پیدا ہونے والے مسائل کو اپنی خداداد بصیرت سے حل کیا۔ ان آئمہ کرام اور مجتہد حضرات نے ان فروعی و جزوی مسائل کو اسلام کے بنیادی اصول اور اساسی مزاج کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی جس پر علاقے کے اپنے حالات وظروف اور پیشرو حضرات کی چھاپ تھی۔ چونکہ اس علم کی بنیاد درایت پر ہے اس لئے اس کے شجرہ نسب کی صحت واتصال کی بڑی اہمیت ہے اور اسی وجہ سے ہر بعد والے نے اپنے قبل والے سے علم حاصل کیا جس کا قدرتی اثر یہ ہوا کہ جس استاد سے سیکھنے کا موقع ملا اس نے

بالعموم اس کے معیار کو قبول کیا اور اس نے بھی اسی نقطہ نظر سے واقعات کا مطالعہ کیا جس سے اس کے مشائخ نے کیا تھا۔ اور اجتہاد و استنباط میں بھی وہی منہج اختیار کیا جو اس کے استاذ کا تھا۔[6]

اسی طرح ہر علاقے کے علماء وفقہاء پر وہاں کے پیشرو اکابر و مشائخ کے اجتہادات کی چھاپ پڑی اور یہی بنیادی سبب بنا فقہاء کے اختلاف کا۔[7]

شاہ ولی اللہؒ نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فقہ مالکی پر فقہاء مدینہ کا اثر بہت گہرا پڑا۔ کیونکہ مدینہ اکابر صحابہ کرامؓ کا مرکز تھا جن میں بہت سے صحابہ فقیہ بھی تھے۔ مشہور یہ ہے کہ امام مالک اہل مدینہ کے اجماع کو حجت قرار دیتے تھے۔ اس لئے کہ مدینہ ہر دور میں علماء وفقہاء کا مرکز رہا ہے۔ امام مالک ایسے ہی متفقہ (اجماعی) امسئلہ کے بارے میں فرماتے ہیں: السنة التی لا اختلاف فیها عندنا کذا وکذا۔ (یعنی جس میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے وہ یہ اور یہ ہے۔) کوئی مسئلہ خود علماء مدینہ کے درمیان اختلافی ہوتا تو وہ اپنے ذوق اجتہاد یا کثرت قائلین، یا قیاس قوی یا کتاب و سنت کی کسی تخریج سے موافقت کی بنیاد پر انہیں میں سے کسی قول کا انتخاب کرتے، ایسے مواقع پر امام مالک فرماتے تھے: ھذا أحسن ما سمعت (یہ میرے سنے ہوئے اقوال میں سب سے بہتر قول ہے۔)

فقہ حنفی پر فقہا کوفہ کے اثرات بھی بہت گہرے پڑے ہیں۔ مسائل کا حل فقہاء کوفہ کے اقوال کی روشنی میں پیش کیا گیا۔[8]

فقہ شافعی پر بھی مختلف مکاتب فقہ کے اثرات نمایاں ہیں اس کی وجہ یہ ہے امام شافعیؒ نے مالکی اور حنفی دونوں مکاتب فقہ سے استفادہ کیا ہے۔ مدنی روایات کا رنگ بھی ہے اور اور کوفی فکر و نظر کا بھی، ایک طرف ان کے یہاں اجتہاد و استنباط کی گہرائی و گیرائی محسوس ہوتی ہے تو دوسری طرف روایات میں بھی اختلاف کے وقت اصح ما فی الباب کو وہ اہمیت دیتے نظر آتے ہیں، وہ فقہ حنفی سے اس قدر متاثر ہیں کہ ساری زندگی دنیا کو فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کا عیال کہتے ہیں[9] اور امام محمدؒ کی توصیف و تحسین سے ان کی زبان نہیں تھکتی، اور دوسری طرف مختلف اساتذہ سے استفادہ اور درپیش مقامی حالات کی بنا پر فقہ حنفی سے سب زیادہ اختلاف کرنے والے بھی وہی ہیں امام مالک کی صحبت میں رہے، اس کا رنگ ایک تھا، امام محمد کی ہم نشینی میں آئے تو رنگ کچھ اور ہوا اور مصر گئے تو ایک اور کیفیت پیدا ہوئی۔[10]

فقہ حنبلی پر فقہ شافعی کے بھی کافی اثرات ہیں۔ امام احمد بن حنبل کے مذہب کو امام شافعی کے مہب سے وہی نسبت ہے جو امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذہب کو امام ابو حنیفہ کے مذہب سے ہے۔ مگر ان اکا مذہب مام شافعی کے مذہب کے ساتھ مدون نہیں ہوا، جیسا کہ صاحبین کا مذہب امام ابو حنیفہ کے ساتھ مدون ہوا، اسی لئے لوگوں کی نگاہ میں وہ ایک مذہب نہیں سمجھا گیا۔"

شاہ صاحبؒ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں رقمطراز ہیں۔

وعندی فی ذلک رأی وھو أن المفتی فی مذھب الشافعی سواء کان مجتھدا فی المذھب أو متبجرا فیہ اذا احتاج فی مسئلہ الی غیر مذھبہ فعلیہ بمذھب احمد رحمہ اللہ فانہ أجل اصحاب الشافعی رحمہ اللہ علما ادیانۃ ومذھبہ عند التحقیق فرع لمذھب الشافعی ؒ ووجہ من وجوھہ، واللہ اعلم، [۱۲]

ان تمام عبارات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فقہاء اربعہ پر ان کے ماقبل فقہاء کے اثرات بھی تھے اور انہوں نے ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ بھی کیا۔ فقہاء کے درمیان جن بھی مسائل بھی اختلاف ہوا ان کا مقصد صرف ایک تھا یعنی رضائے الٰہی کی جستجو، اور حقیقت حکم تک رسائی، معاذ اللہ کوئی ھوائے نفس یا طلب مال ومتاع یا جاہ عزت ومرتب ان کے مقصود نہ تھا۔ نیز فقہاء کے اختلاف کی وجہ سے جو مختلف صورتیں اور راہیں پیدا ہوئی ہیں وہ امت مسلمہ کے لئے باعث رحمت وراحت ہیں۔ غرض یہ وجوہات تھیں جن کی بناء پر مختلف فقہاء کے مختلف مذاہب قائم ہوئے۔ بعض کے ختم ہو گئے، بعض کی رفتار ترقی سست رہی اور بعض کو زیادہ ترقی حاصل ہوئی۔ اسی طرح بعض فقہاء کو عملی ضروریات سے زیادہ سابقہ پڑا، بعض کو کم اور بعض کو نہایت کم، [۱۳] آج ضرورت اس امر کی ہے مسالک کی بنیاد پر پائے جانے تعصب و تنگ نظری کو ختم کیا جائے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احترام ورواداری کے ساتھ پیش آیا جائے۔ ایک دوسرے پر سب وشتم کی بجائے بقائے باہمی، اتحاد و یگانگت کو فروغ دیا جائے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ آئمہ کرام کے اختلاف کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

اختلاف فقہاء کی شرعی حیثیت:

حقیقت یہ ہے کہ فقہاء کرام میں جن مسائل میں اختلاف واقع ہوا ہے وہ دراصل تحقیق کے مختلف راستے ہیں۔ یہ علمی اختلاف وتنازع فطری چیز ہے جس کا وجود ہر دور میں رہا ہے۔ ہر دور کے آئمہ وفقہاء نے بڑے اخلاص کے ساتھ اجتہاد واستنباط کیا ہے۔ مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور مخطی بھی، لیکن مخطی آثم

کے معنی میں نہیں ہے ۔ بلکہ المراد بالخطاء هناهوخطأ المجتهد فی عدم مصادفة الدلیل فی تلک المسئلة لاالخطأ الذی یخرج به عن الشریعة لأنه أذا خرج عن الشریعة فلاأجرله۔[14]

اس کی دلیل صحیح مسلم کی وہ احادیث بھی ہیں جن میں مجتہد مصیب کو دگنا اجر اور مجتہد مخطی کو ایک اجر کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔[15]

مزید ردالمختار میں ہیں: أن اختلاف أئمة الهدی توسعة الناس،[16]

ونقل السیوطی عن عمر بن عبد العزیز انه یقول :ما سرنی لو أن أصحاب محمّد ﷺ لم یختلفوا لأنهم لو لم یختلفوا لم تکن رخصة[17] مسائل فقہیہ اور آئمہ مجتہدین کی فقہی آراء کا ذخیرہ ہی ہمارا عظیم ملی سرمایہ ہے، مختلف فیہ مسائل میں اختلاف رائے مذموم نہیں بلکہ محمود و مستحسن ہے۔ لہٰذا اختلافی مسائل کی بنیاد پر آئمہ سلف کی مذمت یا ان کے فقہی استنباطات اور فقہی ذخیرہ کو استہزاء اور تمسخر کا نشانہ بنانا درست نہیں۔

امام ابویوسف امام محمد بن حسن شیبانی، ابوزید دبوسی، قاضی ابو بکر باقلانی، شیخ ابوالحسن اشعری، قاضی میر، قاضی ابو محمد الدارکی، ابن شریح اور امام شعبی ہیں، اور جمہور متکلمین واشاعرہ ومعتزلہ سے بھی یہی منقول ہے، علامہ مازری کی رائے بھی یہی ہے، اور اسی کو انہوں نے اکثر فقہاء، متکلمین اور آئمہ اربعہ کا مسلک بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں: مجتہدین کی دونوں طرفوں میں حق ہے، کیونکہ اگر دونوں حق پر نہ ہوتے تو اجر نہ ملتا، یہ حقیقی خطا نہیں، بلکہ افضلیت کی خطا ہے، حقیقی خطا جب ہے کہ قرآن وحدیث، اثر اور اجماع کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرے اور اجتہاد ان کے خلاف ہو کہ یہ مقبول نہیں۔[18]

شاہ ولی اللہؒ بھی اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ ضروری ہے کہ دونوں حکم اللہ ہی کے ہوں، ان میں ایک دوسرے سے افضل ہو جیسے عزیمت اور رخصت۔[19]

مذاہب میں جو ترجیح ہوتی ہے وہ افضل وغیر افضل کی ہوتی ہے۔ اس کی دلیل جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرامؓ کی آراء کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا ہے۔ جس میں حضرت ابو بکرؓ ان قیدیوں سے فدیہ لینے کی حامی تھے جب کہ حضرت عمرؓ کی رائے ان کو قتل کرنے کی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو اختیار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری رائے کو ترجیح دی اور پہلی رائے کے بارے میں فرمایا: لو لا کتاب من الله لمسکم فیما أخذتم عذاب عظیم[20]۔ (اگر اللہ کی تقدیر میں تمہارا یہ عمل نہ ہوتا تو فدیہ لینے پر عذاب الٰہی نازل ہوتا)

علامہ احمد بن عمر المساعد اس حوالے سے لکھتے ہیں: أن الأحكام الفقهية على نوعين: قطعية، وظنية. والصواب دخول القطعية والظنية في مفهوم الفقه، ولذلك: (والمخطئ في الفروع) (معذور) في خطئه غير مأزورٍ لسلامة قصده ونيته، (مأجور على اجتهاده) للحديث النص «فله أجرٌ، وله أجران»۔[21]

حضرت عمرؓ سے مروی حدیث جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، بعض بعض سے زیادہ طاقتور ہیں، ہر ایک کے پاس نور ہے، ان کے اختلاف میں سے کوئی شخص جو کچھ بھی حاصل کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا، نیز فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی اقتدا کروگے ہدایت یافتہ ہو جاؤں گے۔[22]

ایک اور روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ مَثَلُ أَصْحَابِي مَثَلُ النُّجُومِ، مَنِ اقْتَدَى بِشَيْءٍ مِنْهَا اهْتَدَى[23]

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری علامہ طیبیؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں: اس سے مراد فروع کا اختلاف ہے اصول کا نہیں، جیسا کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا فرمانا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہو گا سے ثابت ہوتا ہے۔[24]

علامہ سیوطیؒ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں: تمام مجتہدین حق و ہدایت پر ہیں، اس لئے ان میں سے کسی پر ملامت نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی ان میں سے کسی کی طرف تغلیظ کی نسبت کی جائے گی، اس لئے ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے تو ہدایت پا جاؤگے۔[25]

اس طرح کی بہت سی روایات ملتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فروعی اختلاف شریعت محمدیہ میں نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں بلکہ اس میں بڑی مصلحت رکھی گئی ہے۔ اور اس کی جانب کسی تغلیظ و تمسخر سے ہر ممکن احتراز کیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ فقہاء اور محدثین بھی باہم مقابل و متصادم گروہ نہ تھے۔ بلکہ ان کے کام کی نوعیت میں فرق تھا، ایک کا مرکز توجہ فقہ کی ترتیب و تدوین کا کام تھا اور دوسرے کا کام حدیث کی ترتیب و تدوین تھا۔ اس بناء پر لازمی طور سے احکام و مسائل کی دریافت میں ایک حد تک فرق رونما ہوگا، لیکن کوئی فقیہ بھی ایسا نہیں ہے جو صحیح حدیث کی موجودگی اور اس کے

صحت کے ساتھ پہنچنے کی صورت میں اپنی رائے اور اجتہاد کو ترجیح دے۔ اسی طرح کوئی محدث ایسا نہیں ہے جو حالت وضرورت کی بناء پر احکام ومسائل کا حل نہ دریافت کرے۔ البتہ فقیہہ اپنے مقرر، اصول و ضوابط کے تحت مسئلہ کا حل تلاش کرے گا اور محدث اوپر کی کسی سند کے تحت اس کا جواب دے گا۔۔۔۔ اس کے علاوہ دونوں کے مزاج اور طبیعت میں بھی اختلاف ہے۔ ایک پر روایت کا غلبہ ہے اور دوسرے پر درایت کا غلبہ ہے۔۔۔۔ محدثین نے جس بلند ہمتی اور عالی ظرفی سے تدوین حدیث کے فرائض انجام دیئے ہیں۔[۲۶]

لہٰذا فقہاء اور محدثین کے مابین اختلاف کو بھی حق وباطل کا اختلاف تصور نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ان دونوں گروہوں کے مابین فرق واختلاف ان کے تحقیق کے راستے میں فرق کے باعث ہے۔

غرض یہ کہ اجتہاد اس امت کا خاصہ ہے اور اس کا لازمی نتیجہ فروعی اختلاف ہے، اور روایات وواقعات بتاتے ہیں کہ اجتہادی اختلاف کی کسی صورت پر کوئی نکیر نہیں کی گئی، بلکہ اس میں ہمیشہ توسع کی راہ دی گئی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی اجتہادی مسائل میں حق کو دونوں جانب دائر رکھا گیا ہے۔ اور کسی جانب تغلیط کی نسبت پسندیدہ نہیں ہے۔[۲۷]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں: فروع میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا، حالانکہ وہ خیر امت تھے، مگر ان میں سے کسی نے کسی سے کوئی مخاصمت نہیں رکھی اور نہ دشمنی قائم کی، نہ کسی نے کسی طرف قصور وخطا کی نسبت کی،۔۔۔ ملت اسلامیہ میں مذاہب کا اختلاف اس امت کا خصوصی امتیاز اور اس کا خوشگوار اور آسان شریعت کی توسیع ہے،[۲۸]

ان تمام مباحث کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء کے فقہی استنباطات اور فروعی اجتہادات کا بحیثیت شریعت احترام کرنا لازم ہے، ان کا تمسخر یا آئمہ واسلاف میں سے کسی کی توہین و مذمت شرائع اسلام کی توہین ہے جس سے کفر کا اندیشہ ہے۔

فقہاء کرامؒ کے باہمی تعلقات اور احترام ومحبت:

فقہاء کرام میں اجتہادی اختلاف کے باوجود باہمی تعلقات محبت واحترام کا رشتہ ہمیشہ استوار رہا۔ ان میں پایا جانے والے اس فروعی وجزوی اختلاف نے کبھی بھی عصبیت اور تنگ نظری کا روپ نہیں دھارا۔

ہمیشہ ان میں ایک دوسرے کا لحاظ، احترام واکرام موجود رہا۔ اور زبانیں ایک دوسرے کے ذکر خیر میں رطب اللسان رہیں۔ ایسے بہت سے واقعات کتب سیر و تاریخ سے ملتی ہیں۔

بطور مثال چند واقعے بیان کئے جاتے ہیں:

خطیب بغدادیؒ نے امام شافعیؒ سے روایت کیا ہے کہ امام مالک بن انسؒ سے معلوم کیا گیا کہ آپ نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ فرمایا جی ہاں میں نے ان کو ایسا پایا ہے کہ اگر وہ اس ستون کے متعلق تم سے دعویٰ کرتے کہ یہ سونے کا ہے تو اس کو حجت سے ثابت کر دیتے۔[۲۹]

محمد بن اسماعیلؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ امام ابو حنیفہؒ کا ہاتھ پکڑ رہے تھے، جب مسجد نبوی پہنچے تو امام صاحب کو آگے بڑھایا۔[۳۰]

ان دونوں حضرات میں اتنا تعلق تھا کہ موسم حج میں امام مالک کو امام ابو حنیفہ کا انتظار رہتا تھا۔[۳۱]

فقہ شافعی اور فقہ حنفی کے درمیان اجتہادی اختلافات کی اتنی کثرت ہے کہ کسی دوسری دو فقہ کے مابین نہیں ہے۔ لیکن ان تمام اختلافات کے باوجود فقہ شافعی اور فقہ حنفی کے مابین ہمیشہ احترام و محبت کا رشتہ قائم رہا۔

ربیعؒ اور حرملہؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے۔ الناس عيال فى الفقه على أبى حنيفه[۳۲]

لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ ابو القاسم بن کاسؒ نے امام شافعیؒ سے روایت کی جس سے روایت کی جس نے شخص نے امام ابو حینفہ کی کتابوں کو نہیں دیکھا وہ نہ علم میں ماہر ہو سکتا اور نہ فقیہ ہو سکتا ہے۔[۳۳]

امام شافعیؒ کا قول ہے: خدا کی قسم میں تو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد محمد بن حسنؒ کی کتابوں سے فقیہ ہوا۔

مَا رَأَيْتُ أَعْقَلَ، وَلا أَفْقَهَ، وَلا أَزْهَدَ، وَلا أَوْرَعَ، وَلا أَحْسَنَ نُطْقًا وَإِيرَادًا مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ[۳۴]

شاہ ولی اللہؒ ابن حجرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ امام شافعیؒ نے ابو حنیفہؒ کی قبر کے پاس صبح کی نماز پڑھی تو قنوت نہیں پڑھی، اور بسم اللہ بھی جہرا نہیں پڑھی، ان سے جب اس بات کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا صاحب قبر کے آداب کی وجہ سے، اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ فرمایا: میرا میلان مذہب عراق کی طرف ہو گیا، جبکہ وہ دائمی قنوت اور بسم اللہ کے جہر کے قائل تھے۔[۳۵]

امام ابو حینفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے مابین بھی الفت و محبت کا رشتہ قائم تھا۔ امام محمدؒ ایک

مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس جانے کے لئے گھر سے نکلے، دروازے پر امام شافعیؒ کو دیکھا تو ایوان خلافت تک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا، امام شافعیؒ نے کہا کہ پھر کبھی آجاؤں گا مگر امام محمدؒ سواری سے اتر گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کے گھر میں لے گئے۔[۳۶]

امام احمد بن حنبلؒ بھی امام ابو حنیفہؒ کے علم و تفقہ کے قائل تھے۔ فرماتے ہیں: ابو حنیفہؒ علم و تقوی، زہد واختیار آخرت میں اس درجہ پر تھے کہ کوئی وہاں تک نہیں پہنچ سکا۔[۳۷]

امام احمد بن حنبلؒ جب کبھی امام ابو حنیفہؒ کے کوڑے کھانے اور قضا قبول نہ کرنے واقعہ یاد کرتے تو رو پڑتے، اور امام صاحبؒ کے لئے دعا رحمت فرماتے تھے۔[۳۸]

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی ایک دوسرے کی توقیر کرتے تھے۔ امام شافعیؒ جب بغداد چھوڑ کر مصر جانے لگے تو فرمایا: میں بغداد سے نکلا ہوں تو اس وقت وہاں امام احمدؒ سے زیادہ کوئی نہ فقیہ تھا، نہ عالم، نہ متقی، نہ زاہد، نہ محتاط۔[۳۹]

امام احمدؒ بھی امام شافعیؒ کے بہت معتقد تھے فرماتے تھے کہ کوئی ایسا محدث نہیں جس نے قلم و دوات کو ہاتھ لگایا ہو مگر امام شافعیؒ کا اس پر احسان نہ ہو، ہمیں مجمل و مفسر، ناسخ و منسوخ حدیث کا علم نہیں تھا یہاں تک کہ ہم امام شافعیؒ کی مجلس میں بیٹھے۔[۴۰]

امام مالکؒ کے حوالے سے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: امام مالکؒ سے زیادہ صحیح اور جلد جواب دینے والا پوری پرکھ والا نہیں دیکھا۔[۴۱]

حرملہؒ نقل کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرماتے تھے کہ امام مالکؒ تابعین کے بعد خدا کی حجت ہیں۔[۴۲] امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ اگر امام مالکؒ نہ اور ابن عیینہؒ نہ ہوتے تو علم حجاز سے رخصت ہو جاتا۔[۴۳]

ان تمام اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام آئمہ میں ایک دوسرے کے لئے کس قدر احترام وعقیدت تھی۔ اور ہر ایک دوسرے کا معترف تھا نہ کے طعن، لعنت و ملامت کرنے والا۔ ایک دوسرے کے بارے میں تنگ دلی و تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ہی تعصب کا۔ اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کی آراء کے بارے میں روش ہمیشہ مثبت رہی۔ اور یہ قولی اور عملی ہر دو لحاظ سے تھا۔ کتب تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں شاہ ولی اللہ نے ایسی کئی مثالوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں بطور مثال کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ امام شافعیؒ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے جب وہ امام ابو حنیفہؒ کی قبر پر نماز ادا کرتے ہیں تو قنوت اور بسم اللہ بالجہر کو ترک کر دیتے ہیں۔

خلیفہ ہارون رشید نے پچھنے لگوانے کے بعد امام مالک کے فتوی کے مطابق بلا تجدید وضو نماز پڑھائی اور امام ابو یوسفؒ نے ان کے پیچھے نماز ادا کی اور اس کا اعادہ نہیں کیا۔

امام احمد بن حنبلؒ نکسیر اور حجامہ کو ناقص وضو قرار دیتے تھے مگر ان سے جب پوچھا گیا کہ خروج دم کے بعد امام بے بلا وضو نماز ادا کی کیا آپ اس کے پیچھے نماز ادا کریں گے تو انہوں نے فرمایا؛ امام مالکؒ اور سعید بن المسیبؒ کے پیچھے نماز کیسے نہ پڑھوں؟

بزازیہ میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے جمع کے دن ایک حمام میں غسل کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی، لوگوں کے جانے بعد معلوم ہوا کہ حمام کے کنویں میں مرا ہوا چوہا موجود تھا، اس پر انہوں نے فرمایا: تب ہمارا عمل اپنے مدنی بھائیوں کے قول پر ہوا کہ پانی دو قلے ہو جائے تو نجاست اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔[۴۴]

یہ مجتہدین حضرات مسائل میں باہم اختلاف رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے بلا تکلف نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور ان حضرات کے اصحاب مدینہ میں مالکی آئمہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے جبکہ مالکی سری یا جہری کسی طرح کی بسم اللہ کے قائل نہیں ہیں۔[۴۵]

مولانا سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں: اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اختلافی مسائل میں فقہاء کرام کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہر گز نہیں، اور نہ ہر جگہ اس کو عزیمت و رخصت کا اختلاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی اصل حیثیت صواب محتمل خطا اور خطا محتمل صواب ہی کی ہے۔[۴۶]

اختلافی مسائل میں ہمارے اکابرین جس راہ اعتدال اور باہمی احترام و توازن کی راہ پر گامزن ہوئے آج بھی اسی روش کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو پھر باہمی نفرتوں کی خلیج مزید وسیع ہوتی رہے گی جو کبھی نہ ختم ہونے والی نفرتوں کی جگہ لے لے گی۔

پر امن بقائے باہمی کے لئے اصول و آداب:

۱۔ متفق علیہ مسائل پر توجہ مرکوز کی جائے: فقہی مسائل کا بڑا حصہ متفق علیہ ہے۔ بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ اور وہ بھی ایسے مسائل میں جن میں فروعی و جزئی اختلاف ہیں۔

نیز یہ اختلاف بھی اکثر و پیشتر اولیٰ و غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ہاں متفقہ علیہ امور و مسائل کو چھوڑ کر ان فروعی و جزوی اختلافات کو زیادہ ابھارا جاتا ہے۔ جس کے باعث معاشرے میں عدم برداشت اور صبر و تحمل کے فقدان کا ماحول پروان چڑھتا ہے۔ دوسرے مسلک کے حوالے سے تعصب ابھرتا ہے۔ لہذا آئمہ کرام کو بھی یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے مسالک کے پیرو کاروں کو متفق علیہ امور و مسائل کی واقفیت زیادہ دیں اور ان میں دوسرے مسالک کے ساتھ احترام و رواداری کی تعلیم عام کریں۔

۲۔ محبت و رواداری کی تعلیم:

فقہی مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود فقہاء نے ایک دوسرے کا احترام کیا ایک دوسرے کے ساتھ عقیدت و احترام کا رویہ برقرار رکھا۔ لہذا اگر ہمیں کسی دوسرے مسلک کی کسی بات سے اختلاف ہے تو ہمیں بھی اسی اصول پر کاربند رہنا چاہیے۔ دوسرے کی کسی بات کا رد دلیل کے ساتھ کریں اور رواداری کا مظاہرہ کریں۔

۳۔ دوسرے مسلک کی تحقیر و استہزاء کرنے سے اجتناب:

آئمہ کرام و فقہاء کا ایک دوسرے کے مسلک اور ان کے پیروکاروں کو تحقیر و استہزاء کا نشانہ بنانا بھی غلط ہے۔ آئمہ کا اختلاف چونکہ شرعی بنیادوں پر ہے اور شریعت میں اس کی گنجائش ہے اس لئے کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان اختلافات کی وجہ سے ان فقہاء کو مشق سخن بنائے، اور امت میں تفریق پیدا کرے۔ سورہ الحجرات میں ارشاد ہے: لایسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرا منهم [۴۷]

حدیث مبارکہ ہے: کل المسلم علی المسلم حرام دمه و ماله و عرضه ، بحسب امریء من الشر أن یحقر أخاه المسلم [۴۸]

کسی شخص کے صاحب شر ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ کسی مسلم کی تحقیر و تذلیل کرے۔

یہ آثار قیامت میں سے ہے کہ انسان ایک دوسرے کو مطعون کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا : ولعن آخر هذه الامة اولها فارتقبوا عند ذلک ریحا حمراء و زلزلة و خسفا و مسخا و قذ فا وآیات تتابع کنظام قطع سلکه فتتابع [۴۹]

قیامت کی نشانیوں میں سے بھی یہ ہے انسان ایک دوسرے پر، ایک گروہ یا جماعت دوسرے پر لعنت کرے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا　لَا تَفْنَى هَذِهِ الْأُمَّةُ حَتَّى يَلْعَنَ آخِرُهَا أَوَّلَهَا [50]

حدیث مبارکہ ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا　: لیس المومن بالطعان و الااللعان ولا الفاحش ولا البذی [51]

فرمان نبوی ﷺ میں مسلمان کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے　: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدیہ [52]

لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اختلافی مسائل میں ان تعلیمات کو مد نظر رکھیں۔

۴۔ مسلکی تعصبات سے گریز:

جن مسائل میں کوئی نص نہ ملے وہاں ان کی تشریح و توضیح میں وسعت ہوتی ہے اور مختلف اجتہادی آراء سامنے آتی ہیں۔ ہر فقیہ کی کوشش حق تک رسائی حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اور وہ اس حق تک رسائی اپنے مخصوص تحقیقی راستے پر عمل کر کے حاصل کرتا ہے۔ لہذا فقہاء کرام کی آراء میں موجود اختلاف حقیقت میں فکر و نظر اور علم و حکمت کے دائروں میں وسعت پیدا کرنا ہوتا ہے نہ کہ امت میں تفرقہ و فساد کو فروغ دینا۔ مقالہ میں اس حوالے سے اسلاف کا طرز عمل بھی واضح کیا گیا تھا کہ ان میں کبھی بھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ میں حق پر ہوں اور دوسروں کی آراء باطل ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ اس حوالے سے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے محبوب کی تمام ادائیں اور طریقے محبوب تھے، اس لئے ان کے تمام طریقوں کو محفوظ کرنے اور معمول بہ بنانے کے لئے مختلف مذاہب اور مسالک بنادیئے تاکہ تمام طریقے محفوظ و مامون رہیں۔

مسلکی تعصب کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اختلاف رائے کو اختلاف فی الدین سمجھ کر اسے کفر اور اسلام کا مسئلہ بنالیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دینی احکام سے بے خبری، جہالت، علمی برتری، فروعی مسائل پر غیر ضروری زور دینا، مسلکی شناخت اور تشخص کو ابھارنا وہ بنیادی اسباب ہیں جو مسلکی تعصب اور فرقہ واریت کو ہوا دیتے ہیں اور امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ اگر فروعی مسائل میں اختلافات کی حقیقت سے آگاہی کے ساتھ ساتھ اخلاص، للّٰہیت، خوف خدا اور دیانت کا غلبہ ہو تو اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے اور نہ ہی باہمی تعلق نزاع تک پہنچے۔ [53]

۵۔ بدگمانی سے اجتناب: تمام مسالک کو چاہیے کو ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی سے اجتناب کریں۔ ہر ایک نے حتی المقدور منشاء الٰہی کے حصول کے لئے کوشش کی۔ لیکن یہ تمام فقہاء بہر طور انسان تھے۔ لہذا کسی کی آراء و بصیرت پر ایک دوسرے سے بدگمان ہو جانا درست روش نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں صحابہ کرام کے طرز عمل کو اپنانا چاہیے کہ جب ان میں آپس میں کسی بارے میں اختلاف رائے ہوتا تو وہ فرماتے: یرحم اللہ فلانا،لہذا ہمیں بھی اس اصول پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ سورہ الحجرات میں بھی بدگمانی سے پرہیز کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ [۵۴] حدیث مبارکہ ہے: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی باتوں میں سب سے جھوٹی بات ہے۔ [۵۵] لہذا کسی کے بارے میں غلط رائے قائم باہمی آداب کے خلاف ہے۔اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۶۔ہٹ دھرمی اور عناد سے احتراز:

تم فقہاء کرام ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ واکتساب علم بھی کرتے تھے اور ایک دوسرے سے فقہی مسائل میں اختلافات بھی کرتے تھے لیکن ان سب کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم تھے۔ایک دوسرے کی خیر خواہی چاہتے تھے،باہمی تعلقات انتہائی خوش گوار تھے۔اپنے علمی اختلاف کو انہوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی قرار نہیں دیا۔جیسا کہ مقالے میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مسلک کے دوسرے پر اثر انداز بھی ہوا ہے لیکن کبھی بھی ایک دوسرے کے خلاف ہرزہ راسائی نہیں کی۔مولانا عبد الطیف پالنپوری نے علمائے سلف کی اس میانہ روی کے ثبوت میں یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ شیخ علی خواص کے سامنے بعض شافعیہ نے یہ کہہ دیا کہ اس حدیث میں امام ابوحینفہ پر رد ہے تو ناراض ہوگئے۔اور فرمایا: اللہ تیری زبان کاٹ دے۔ادب کا تقاضا یہ ہے کہ یون کہو کہ امام ابوحنیفہ اس حدیث سے واقف نہیں ہوسکے۔[۵۶]

چونکہ ان کی تمام کوشش حق کی تلاش وجستجو تھالہذا جب ان پر حق منکشف ہوجاتا تو فوراً اسے تسلیم کرلیتے کسی دوسرے کی رائے کو قبول کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا کرتے تھے،مختلف مسائل میں امام ابوحینفہ نے اپنی رائے سے رجوع کیا اور امام ابویوسف اور امام محمد کی رائے کو اختیار فرمایا۔لہذا ہمیں بھی اپنے اسلاف کی اس روش پر کاربند ہونا چاہیے اور قبول حق میں کسی قسم کی ضد وہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے،کیونکہ باہمی ضد وعناد تفرقہ بندیوں اور اختلافات کو ابھارنے کا باعث بنتا ہے۔

بین المسالک ہم آہنگی پر امن معاشرے کے قیام کے انتہائی ناگزیر ہے۔جب تک بحیثیت مسلمان ہمارے تمام مسالک میں ایک دوسرے کا احترام اور روادارانہ طرز عمل نہیں ہوگا تب تک ہم غیر مسلم

اقوام کے سامنے اسلام کا تصور امن و سلامتی، اخوت و صبر و تحمل اور رواداری کو پیش نہیں کر سکیں گے۔ لہذا بین المسالک ہم آہنگی اور پر امن معاشرے کے قیام کے سلسلے میں کچھ تجاویز دی جاتی ہیں۔

تجاویز و سفارشات:

۱۔ ایک فرقہ کا دوسرے فرقے کو برا بھلا کہنا، ایک دوسرے کو گمراہ قرار دینا، اختلافات کو ہوا دے کر گروہ بندیوں اور فرقہ بندیوں کا شکار ہونا اور امت میں منافرت پیدا کرنا سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ لہذا علماء کرام کو عوام الناس میں اس حوالے سے شعور بیدار کرنا چاہیے۔

۲۔ متفق علیہ امور پر توجہ مرکوز کی جائے اور اختلافی امور پر گفتگو کرنے سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔

۳۔ لوگوں کو ملانے کی کوشش کی جائے، ان میں دوسرے مسالک کے نقطہ نظر کو برداشت کرنے، صبر و تحمل اور رواداری کے فروغ کی کوششیں کی جائیں۔

۴۔ مدارس اپنے طلبا میں یہ اوصاف پیدا کریں جس سے وہ دوسرے مسلک کی تعلیمات کا بھی احترام کرے، نیز اپنے نصابات پر بھی نظر ثانی کریں۔

۵۔ مساجد اللہ کا گھر ہیں لیکن جب حج کے موقع پر ہم تمام اختلافات بھلا کر ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتے ہیں تو پھر اپنے گلی محلے کی مساجد میں کیوں نہیں، لہذا مساجد کو بلا تفریق مسلک بنایا جائے اور تمام مسالک ایک ہی جگہ پر انماز ادا کریں۔

۶۔ آئمہ خطبا، مفیان اور ہمارے دینی راہبر و پیشواؤں کو بھی تمام تر تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر امت کی رہبری کا فریضہ ادا کرنا چاہیے اور مقصود امت کی خیر خواہی اور یسر ہو۔ متشدد طرز عمل سے اجتناب کیا جائے۔

۷۔ طنز و تعریض اور الزامی جواب اور مزاح و ظرافت اور پھبتی سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۸۔ ذاتیات پر حملہ نہیں ہونا چاہیے۔

۹۔ نکتہ بحث سے ہٹ کر دوسرے موضوعات کو زیر بحث نہیں لانا چاہیے۔

۱۰۔ خیر خواہی اور جذبہ حق طلبی ہونا چاہیے۔

۱۱۔ جدال احسن کا طریقہ اپنانا چاہیے، علمی زبان استعمال کرنا چاہیے۔

۱۲۔ اختلاف سے انقباض محسوس نہیں کرنا چاہیے، اسے خوش آمدید کہنا چاہیے اور علمی طور پر اور علمی رویہ سے حل کرنا چاہیے۔

۱۳۔ بالآخر اختلاف رہ ہی جائے تو اسے اس کے فطری حدود میں رکھنا چاہیے۔

۱۴۔ میڈیا پر بھی اسلام کی ایسی تصویر پیش نہ کی جائے کہ یوں لگے کہ اسلام اور کچھ نہیں ہے سوائے ان مسالک کے نام اور پیروی کے۔ باہمی تناؤ کی کیفیت کی بجائے ایک دوسرے کا احترام اور ایک مسلک کو دوسرے مسلک کے قریب تر بتلایا جائے، ہماری نوجوان نسل کا دین اسلام سے انحراف کچھ اس باعث بھی ہے۔

۱۵۔ ہمارے اسلاف مسلمانوں کے درمیان کے اختلافات کو حسن سلوک مدارات اور مفاہمت سے حل فرماتے تھے اور سب کو اہل حق سمجھ کر معاملہ کرتے تھے۔ اسی لئے ہم کو بھی سارے مسالک کو درست ماننا ضروری ہے۔ ظاہری معاملات میں مفاہمت کی یہی صورت ہے اور باطن حق تعالیٰ کے سپرد ہے۔ جس کے ہم جوابدہ نہیں۔

اختلافی اور فروعی مسائل میں آئمہ سلف کی روش تسامح، رواداری، ادب واحترام اور ایک دوسرے کے مقام ومنصب کو ملحوظ رکھنے اور ان کے علوم وافکار کو قدر منزلت کی نگاہ سے دیکھنے کی رہی ہے۔ ان حضرات نے اپنے مباحثات اور علمی مناقشات میں ان آداب کی بھرپور رعایت کی ہے۔ لہذا آج بھی امت کو اسلام کے وسیع تر مفادات کے پیش نظر آئمہ سلف کے مذکورہ اصول وآداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اور ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل اور سب وشتم سے اپنے دامن کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آئمہ سلف کی روش ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اور ہماری ذمہ داری ہے ان کے نقش قدم پر چلیں اور اختلافی مسائل میں راہ اعتدال اختیار کریں۔ سارے مسالک فقہیہ اور ان کے پیروکاروں کو ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھیں۔ کیونکہ یہ اختلاف حق وباطل، کفر واسلام اور حلال وحرام کا نہیں ہے، بلکہ اولی اور غیر اولیٰ کا ہے۔ اس کی بنیاد پر کسی کی تحقیر کرنا انتہائی نامناسب رویہ ہے۔ جبکہ ہمارے اسلاف میں علمی تحقیق پر مبنی اختلاف کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ لیکن اس جزئی وفروعی اختلاف کے باوجود ان میں رواداری، اخوت، محبت اور برداشت کی نظیریں دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ لہذا ہم بھی ان کی ان درخشندہ روایات سے اکتساب کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر آج ہم میں اپنے

اسلاف کے سے اوصاف سے مزین ہوں گے تبھی ہم ایک پر امن معاشرے میں بقائے باہمی کا خواب شرمندہ تعبیر کر سکنے کے قابل ہو سکیں گے۔

بقول علامہ محمد اقبال

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر　　　اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر
تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم　　　تم خطاکار و خطابیں، وہ خطاپوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم　　　پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم
تخت فغفور بھی ان کا تھا، سریر کے بھی　　　یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟
خودکشی شیوہ تمہارا، وہ غیور و خوددار　　　تم اخوت سے گریزاں، وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار　　　تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بہ کنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی　　　نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

حوالہ جات و حواشی

۱۔ حبیب الرحمٰن، ڈاکٹر، فقہی اختلافات، حقیقت، اسباب اور آداب و ضوابط، اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ۲۰۱۳، ص: پیش لفظ

۲۔ محمد رواس قلعہ جی، معجم الفقہاء، ادراۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، س۔ن، ص: ۱۹۸

۳۔ سروے ۲۰۱۵۔۳۔۱۲

۴۔ ایضا

۵۔ ایضا

۶۔ اختلاف آئمہ کی شرعی حیثیت، انڈیا، ایفا پبلیکیشنز، ص: ۲۲۴

۷۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب اختلاف، لاہور، دار النفائس۔ بیروت 1404، ص: 34

۸۔ ایضا

۹۔ اختلاف آئمہ کی شرعی حیثیت، ص: ۲۲۶

10۔ ایضا

۱۱۔ الانصاف فی بیان سبب اختلاف، ص: 84

۱۲. شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، المطبعۃ السلفیۃ- القاھرۃ، ص:۲۰-۲۱
13- محمد تقی امینی، مولانا فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ، کراچی 1986ء:۳۸۸
14- شعرانی، شیخ عبدالوھاب بن احمد انصاری شافعی، المیزان الکبری الشعرانیہ المدخلہ لجمیع اقوال الائمہ المجتھدین وتعدیلھم ومقلدیھم فی الشریعہ المحمدیہ، دار الکتب العلمیہ 2013، ج: ا، ص: ۲۸
15- ابن حجر، عسقلانی، فتح الباری، دار الریان للتراث، القاھرہ، ۱۹۸۶ء، ج: ۱۷، ص: ۸۴-۸۵
16- ابن عابدین، محمد أمین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار، عالم الکتب، 2003، ج:ا، ص: ۴۶-۴۷
17- ایضا
19- شبلی نعمانی، تذکرۃ النعمان، اقراء ویلفیئر ٹرسٹ، بنگلور، س-ن، ص: ۵۳
20- عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، ص: ۳۲
21- الانفال: ۸
22- تذکرۃ النعمان، ص: ۵۲
23- ملا علی قاری، علي بن (سلطان) محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، بیروت- لبنان، 2002م، رقم الحدیث 6183

22- أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي البصري ثم الدمشقي، مسند أمیر المؤمنین أبي حفص عمر بن الخطاب رضي اللہ عنہ وأقوالہ علی أبواب العلم، دار الوفاء- المنصورۃ 1991ء، ج:۲، ص:۴۰۰
23- أبو عبد اللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علي بن حکمون القضاعي المصري، مسند الشھاب، مؤسسۃ الرسالۃ- بیروت 1986، ج:۲، ص:۲۷۵
24. شرف الدین الحسین بن عبد اللہ الطیبي، شرح الطیبي علی مشکاۃ المصابیح المسمی ب ___ (الکاشف عن حقائق السنن)، مکتبۃ نزار مصطفی الباز (مکۃ المکرمۃ- الریاض) 1997، ج:۱۲، ص:۳۸۴۶،
۲۵- عبد الغنی النابلسی، للشیخ، خلاصۃ التحقیق فی حکم التقلید والتلفیق، دار الشفقہ بفاتح، بیروت، ص: ۷
۲۶- محمد تقی امینی، مولانا فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ، کراچی 1986ء، ص: ۳۸۸-۳۴۰
۲۷- اختلاف آئمہ کی شرعی حیثیت، ص: ۲۳۸
۲۸- سیوطی، بحوالہ، خلاصہ التحقیق للشیخ عبد الغنی نابلسی، ص:۸،

۲۹۔ الذھبی، شمس الدین، مناقب امام ابی حنیفہ و صاحبیہ، لجنۃ إحیاء المعارف النعمانیۃ، حیدر آباد الدکن بالھند، ص:31

۳۰۔ ایضا، ص19

۳۱۔ عبد الجبار اعظمی، شیخ، امداد الباری، ج: 4، ص:81

۳۲۔ ابن حجر، عسقلانی، تہذیب التہذیب، موسسۃ الرسالۃ، س۔ن، ج: ۱۰، ص: ۴۵

۳۳۔ شبلی نعمانی، تذکرۃ النعمان، اقراء ویلفیئر ٹرسٹ، بنگلور، س۔ن، ص: ۱۴۹

۳۴۔ مناقب امام ابی حنیفہ و صاحبیہ، ص:81، 87

۳۵۔ الانصاف، ص110

۳۶۔ امداد الباری، ج:۴، ص: ۸۵

۳۷ ایضا، ص:۸۲

۳۸۔ ابن خلکان، تنقیح: محمد باقر بن عبد الحسین خان، تاریخ ابن خلکان، س۔ن، ج: ۱ ص: ۱۶۴

۳۹۔ امداد الباری، ج:۴، ص: ۸۷

۴۰ تاریخ ابن خلکان، ج: ۳، ص: ۳۵

۴۱۔ امداد الباری، ج:۴، ص:۸۳

۴۲۔ تہذیب التہذیب، ج:۱۰، ص: ۸

۴۳۔ ابن حجر، عسقلانی، فتح الباری، دار الریان للتراث، القاہرہ، ۱۹۸۶ء، ج: ۱، ص: ۷

۴۴۔ الانصاف، ص109

۴۵۔ ایضا

۴۶۔ اختلاف آئمہ کی شرعی حیثیت، ص: ۵۴۶

۴۷۔ الحجرات: ۱۱

48۔ أبو عبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل بن ھلال بن أسد الشیباني، مسند الإمام أحمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ 2001، مسند ابی ہریرہؓ، الجزء ۱۴، ص:۳۳۸

49۔ أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي البصري ثم الدمشقي، البدایۃ والنھایۃ، دار ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والإعلان، 2003، الجزء ۱۹، ص:۴۸

۵۰۔ سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني، المعجم الأوسط، دار الحرمين۔
القاهرة، الجزء۵، ص

۵۱۔ مسند احمد، الجزء:۶، ص:۳۹۰

52۔ معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي مولاهم، أبو عروة البصري، الجامع (منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق)
المجلس العلمي بباكستان، وتوزيع المكتب الإسلامي ببيروت، 1403ھ، الجز:۱۱، ص:۱۹۱

۵۳۔ فقہی اختلافات حقیقت، اسباب اور آداب وضوابط، ص: ۱۲۹

۵۴۔ الحجرات:۱۲

55۔ الجامع (منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق)، الجزء:۱۱، ص:۱۶۹

۵۶۔ المیزان الکبری، ج: ۱، ص: ۵۱